اسلام کا تصور عدل وقضاء

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی *

اسلام میں عدل کا مفہوم، وضع الشئ فی محله ،یعنی کسی چیز کو اس کا اصل مقام عطا کرنا، چیز کو اس کی حقیقی جگہ میں رکھنا ہے۔ یہ ایک جامع تعریف ہے، اس کی رو سے نہ صرف انسانوں کو بلکہ اس کائنات کی ہر چیز کو اس کے مقام ومنصب پر رکھنا، اور اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

امت وسط اور قیام عدل

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اہم ترین مقصد عدل وانصاف پر مبنی انسانی معاشرہ کا قیام ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انسانوں میں اعتدال ومیانہ روی قائم کر کے دکھائی بلکہ ایسی اصولی ہدایات بھی عطا فرمائیں جن پر عمل پیرا ہو کر ساری کائنات اور انسانی معاشروں میں توازن پیدا کر کے عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اعتدال وتوازن کے قیام کے لیے امتِ مسلمہ کو امتِ وسط قرار دیا ہے۔ امتِ وسط کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

> متصفة بالخصال الحميده، خيارًا،
> عدولا، مزكين بالعلم والعمل (۱)۔
> یعنی ایسی امت جو اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو، سراپا خیر
> کا پیکر ہو، عدل وانصاف کو اچھی طرح قائم کرنے والی
> اور پوری طرح علم وعمل سے آراستہ ہو۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابو السعود محمد بن محمد العمادیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے نظام تربیت کو پیش نظر رکھ کر یہ تعریف پیش کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ تربیت میں علم کو ہر چیز پر فوقیت حاصل تھی کہ علم کے بغیر کوئی قوم نہ اپنے منصب کا صحیح ادراک کر سکتی ہے نہ ہی

---

* ڈین کلیہ شریعہ والقانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اسے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کا آغاز اقراء سے ہوا، اس لیے کہ پڑھائی حصولِ علم کا ایک بہت اہم ذریعہ ہے لیکن صرف علم بھی کافی نہیں جب تک تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کا پوری طرح اہتمام نہ ہو، پھر علم کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کا علم کے مطابق ڈھلنا بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں انسان کے تمام اختیاری افعال کا وحی الٰہی کے تقاضوں کے مطابق ڈھل جانا عمل صالح کہلاتا ہے، لہذا عمل صالح پر عمل پیرا لوگ ہی زندگی کے تمام معاملات میں عدل بھی قائم کر سکتے ہیں اور اس کائنات میں بھی منصفانہ توازن بھی برقرار رکھ سکتے ہیں۔

قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے حکم دیا:

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (الاعراف ۷:۲۹)

کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْط (الشوریٰ ۴۲:۱۵)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔

وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (المائدہ ۵:۴۲)

اور اگر ان کے درمیان فیصلہ کرنا چاہو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کو بھی ہر حالت اور ہر صورت میں عدل وانصاف کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے، اس سلسلہ میں قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں لیکن سورۃ مائدہ کی درج ذیل آیت بہت اہم ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ

بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی
اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی خاطر حق پر خوب ڈٹ جاؤ، حق وانصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور (دیکھو) کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں ہرگز عدل کرنے سے نہ روکے، عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

عدل کے باب میں یہ بہت جامع آیت ہے۔ اسلام میں عدل کا قیام فی نفسہ مطلوب ہے، لہذا اس کے قیام میں نہ جغرافیائی حدود کو حائل ہونا چاہیے نہ ہی ممالک واقوام کے فرق کو، حتی کہ اگر دشمن سے واسطہ ہو تو بھی عدل و انصاف کے دامن کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ سورۃ النساء کی ایک آیتِ مبارکہ میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عدل کی خاطر سچی گواہی دیں خواہ اس کی زد خود اپنے اوپر پڑتی ہو یا اپنے والدین واقارب پر پڑتی ہو (النساء۴:۱۳۵)۔

قیام عدل کا دائرہ بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ باہمی لین دین کے معاملات ہوں یا نظمِ مملکت وانتظام، زبانی بات چیت ہو یا تحریر ودستاویز کی شکل، عدل کے تقاضوں کو ہر حالت میں پورا کرنا ضروری ہے۔ یہاں چند مزید متعلقہ آیات ذکر کی جا رہی ہیں:

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ج لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ
كَانَ ذَا قُرْبٰی ج وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ
وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الانعام۶:۱۵۲)

ناپ تول پورا پورا کیا کرو انصاف کے ساتھ، ہم کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب بات کہو تو بھی عدل و انصاف سے کہو خواہ وہ تمہارے رشتہ دار ہی ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو، ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ص (البقرة ۲:۲۸۲)

اور لکھنے والے کو چاہیے کہ عدل و انصاف کے ساتھ لکھے (۲)۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا، وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ، اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النساء ۴:۵۸)

اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو لوٹا دو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کا سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے، یہاں عوام اور حکام سب کو حکم دیا گیا ہے کہ امانتیں انہیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں، اس میں وہ امانتیں بھی شامل ہیں جو لوگ ایک دوسرے کے پاس رکھواتے ہیں اور وہ مناصب، عہدے اور ذمہ داریاں بھی شامل ہیں جن پر مملکت اور معاشرہ کا نظم ونسق موقوف ہے، چنانچہ امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ سرکاری، نیم سرکاری

اور غیر سرکاری اجتماعی اداروں میں عہدے اور مناصب ایسے لوگوں کے سپرد کیے جائیں جو ان عہدوں کے لیے بہترین قابلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ط ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق ۶۵:۲)

اور اپنے لوگوں میں سے دو عادل لوگوں کو گواہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ٹھیک گواہی دینا، ان باتوں کی نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (نجات) چھٹکارے کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔

قیام عدل کے لیے علمی وفکری استحکام ضروری ہے

انسانی معاشرہ کی مستحکم بنیادوں پر تنظیم کے لیے صرف احکام اور قوانین کا نفاذ یا عدلیہ کا قیام ہی کافی نہیں بلکہ لوگوں کے علمی وفکری معیار کو بہتر بنانا اور انسانی رویہ میں مثبت، تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فریضہ اس طرح انجام دیا کہ لوگوں کی فکری اصلاح کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد کی اس طرح تعلیم وتربیت فرمائی کہ عقیدہ کا مفہوم خوب اچھی طرح لوگوں کے دل ود ماغ میں راسخ ہو گیا، عقائد کی حقیقت ان پر واضح ہوگئی، انسان، کائنات اور کائنات کی ہر چیز کے بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ اور تصور بدل گیا۔ عقیدہ کی گہری چھاپ ان کے فکر ونظر، اعمال اور اخلاق پر بھی نمایاں نظر آنے لگی۔

قرآن حکیم کا بیانِ احکام کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عملی احکام بیان کرنے کے بعد عقیدہ و ایمان کو ضرور ذکر کرتا ہے۔ اوپر ہم نے سورۃ طلاق کی جو آیت ذکر کی ہے اس میں پہلے حصہ میں دو حکم

دیے گئے ہیں پہلا حکم یہ ہے کہ دو عادل لوگوں کو گواہ بنائیں اور دوسرا حکم یہ ہے کہ شہادت کا صحیح نظام خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قائم کرو، ان دونوں احکام کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ نصیحت اور حکم انہی لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں حرمتِ ربا کو بیان کرتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ سود ہرگز نہ کھاؤ، اس سے اگلی آیت میں آخرت اور جہنم کا ذکر ہے کہ جہنم کی اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (آل عمران ۳: ۱۳۰، ۱۳۱)۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت میں جنت اور وہاں کی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو بیان کیا گیا ہے، (آل عمران ۳: ۳۱، ۳۲)۔

عقائد میں سرفہرست عقیدۂ توحید ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور انسانوں کے ذمہ اس کے حقوق کا تذکرہ بھی آیاتِ احکام کے اختتام یا ان سے متصل آیات میں جا بجا ملتا ہے، قرآن کریم کے اس اسلوب کو سمجھ کر پڑھنے سے نہ صرف عقیدۂ توحید، اس کا مفہوم و مقصد راسخ ہوتا ہے بلکہ احکام پر عمل کرنے کے لیے ایک زبردست محرک بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور صاحبِ ایمان کا ہر عمل تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتا ہے (۳)۔

رسالت اور آخرت پر ایمان بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا حصہ ہیں، رسالت پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ جو پیغام وحی کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے اسے حکم الٰہی کے طور پر تسلیم کر کے اپنی زندگی کو اس پیغام کے مطابق ڈھال لیں، اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کی منشاء کو جاننے کا واحد ذریعہ رسول علیہ السلام ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے رسول واجب الاتباع ہوتے ہیں اور ان کی زندگی تمام انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہوتی ہے۔

سنجیدہ اور بامقصد زندگی کا تمام تر دارومدار عقیدۂ آخرت پر ہے، اس کے بغیر دنیا کی زندگی محض لہو و لعب ہے، عقیدۂ آخرت کے بغیر جزا و سزا کا تصور بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے، یہ جزا اور سزا کا اسلامی تصور ہی ہے جو قیام عدل میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

رویہ کی اصلاح بھی ضروری ہے

عقائد کی تعلیم و تربیت کے ساتھ دوسری بنیادی چیز اصلاح رویہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی رویہ کی اصلاح اور کردار کی تشکیل کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، نبوت کے مشن کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی، کردار سازی تو تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ مقصد رسالت رہا ہے، رویہ کی اصلاح کے لیے اخلاقی اقدار اور تزکیہ واحسان کا ایک جامع پروگرام انبیاء کے مشن کا لازمی حصہ ہوتا ہے وہ ایمان واخلاق کی بنیاد پر ایک ایسا مناسب ماحول پیدا کرتے ہیں کہ اس میں اعمال صالحہ خوب پروان چڑھتے ہیں، عدل وانصاف کا قیام آسان ہوتا ہے اور ظلم وعدوان کا ارتکاب مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور فضائل اخلاق کو اعمال ونفاذِ قانون پر مقدم رکھا ہے اور ایمان واخلاق کی تعلیم تیئس سالہ نبوت کی زندگی میں ہمیشہ سرفہرست رہی اس لیے کہ ایمان اور فضائل اخلاق کے ذریعہ انسان کی ظاہری و باطنی قوت وصلاحیت اس قدر مستحکم اور اجاگر ہوتی ہے کہ اس کے گردوپیش سے جہالت، شراور عدوان کی تاریکی چھٹنے لگتی ہے اور عدل واحسان پر مبنی معاشرہ وجود میں آنے لگتا ہے۔

تفقہ فی الدین اور قانونی فراست

عدل وانصاف کے قیام میں قانونی فہم اور فراست کو بڑی اہمیت حاصل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسے لوگوں کا انتخاب فرمایا جن میں قانون کے فہم اور استنباط واستدلال کی خداداد صلاحیت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرنے کے لیے ان کی تربیت فرمائی، قرآن وسنت دونوں ہی ایسے لوگوں کی صلاحیتوں کو ابھارتے ہیں، قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں غور کیجیے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا
فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا
اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (التوبہ ۹:۱۲۲)

کیوں نہ ایسا ہو کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل کھڑے

ہوں تا کہ وہ دین کا فہم اور بصیرت حاصل کریں اور پھر
جب واپس آئیں تو اپنی قوم کے لوگوں کو بھی متنبہ کریں
تا کہ یہ لوگ بھی بچتے رہیں۔

یہ آیتِ مبارکہ نہ صرف یہ کہ قانونی فہم وبصیرت پیدا کرنے کے لیے آمادہ کر رہی ہے بلکہ دین کے مجموعی فہم اور اسی کے دائرہ میں رہ کر قانون کی بصیرت اور استدلال واستنباط کی صلاحیت پیدا کرنے پر بہت مؤثر اسلوب میں ابھار رہی ہے۔ اسی طرح اس حدیث مبارک کے اندازِ بیاں پر غور کیجئے کہ اس کے الفاظ وعبارت سے ایک مؤمن کے قلب ودماغ میں قانون کے فہم وادراک کے لیے کس قدر جذبہ اور ولولہ پیدا ہوگا:

من یرداللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین
اللہ تعالیٰ جسے بھلائی عطا کرنا چاہتے ہیں اسے دین کا فہم
اور بصیرت عطا فرمادیتے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے باصلاحیت صحابہ کو دعائیہ اسلوب میں پیغام دینا کہ ”اللّٰھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل“ کہ اللہ انہیں دین کا فہم عطا فرمادے اور تشریح وتعبیر کی صلاحیت پیدا فرمادے (۴)۔

قضاء کے لیے نظم تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے صحابہ کرام کو خود قضاء کی تربیت دی اور وہ اصولی ہدایات دیں جوان کے لیے منصب قضاء کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں مشعل ہدایت ثابت ہوئیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن میں عہدہ قضاء پر مامور فرمایا تو ان کا باقاعدہ انٹرویو لیا، یہ بھی تربیت کا ایک انداز تھا، پوچھا کہ اے معاذ فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی کتاب میرے پاس ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں تمہیں کوئی حکم نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ پھر اللہ کے رسولؐ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، اس پر مزید سوال کیا گیا کہ اگر سنت میں بھی کوئی حکم نہ ملے تو پھر کیا

کرو گے؟ حضرت معاذؓ کا جواب تھا کہ پھر میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی صحیح رائے تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا (۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب، ان کی صلاحیت اور اجتہادی بصیرت کو سراہا اور انہیں یمن میں عہدہ قضاء پر مامور فرمادیا۔

حضرت علیؓ کو بھی یمن کے ایک علاقہ کا قاضی مقرر فرمایا، حضرت علیؓ اس وقت کم عمر تھے اس لیے انہوں نے اس اہم منصب کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰـه عزوجل سيهدى قلبك، و يثبت لسانك، فاذا جلس بين يديك الخصمان فلا تقض حتى تسمع من الأخر كما سمعت من الأول فانه احرىٰ أن يتبين لك القضاء (٦)۔

اللہ تعالیٰ یقیناً تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا، تمہاری زبان میں ثبات عطا فرمائے گا، جب تمہارے سامنے دو فریق پیش ہوں تو جب تک دونوں فریق کی بات نہ سن لو ہرگز فیصلہ نہ کرنا، اس لیے کہ فیصلہ کے لیے مسئلہ کے واضح ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انداز یہ بھی رہا ہے کہ وہ اپنے قاضیوں کو تحریری ہدایات بھی بھیجا کرتے تھے، حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو بحرین میں قضاء کی ذمہ داریاں سونپیں، انہیں تحریری ہدایات بھیجیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خط میں وہاں کے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہدایات تحریر کرائیں:

یہ مکتوب محمد بن عبداللہ نبی امی قریشی و ہاشمی کی جانب

سے جو ساری مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، علاء بن الحضرمیؓ اور مسلمانوں کے لیے ہے، اور عہدو پیمان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، میں نے علاء بن الحضرمی کو تم پر قاضی مقرر کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں اور تمہارے ساتھ نرم دلی کا رویہ رکھیں تمہارے درمیان حق کے ساتھ حسن کردار کا مظاہرہ کریں، تمہارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق عدل وانصاف قائم کریں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم ان کی اطاعت کرنا اگر وہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے رہیں، انصاف کے ساتھ (اموال) تقسیم کریں، اور رحم کی درخواست کی جائے تو رحم کریں تو تم ان کا حکم سننا، ان کی بات ماننا اور اچھی طرح ان کی نصرت واعانت کرنا، اس لیے تم پر میرا حق ہے کہ تم میری بات مانو یہ ایسا عظیم الشان حق ہے کہ اس کا حق ادا کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے (۷)۔

منصبِ قضاء جہاں ایک بہت بھاری ذمہ داری ہے وہاں اجر وثواب کا ایک بڑا ذریعہ بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قاضی کو جو بہت دیانت داری اور حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے بڑے اجر وثواب کی بشارت دی ہے۔ حضرت معقل بن یسارؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ جان بوجھ کر ظلم نہ کرے (۸)۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا تو رسول اللہؐ نے

اپنے صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم دیا کہ وہ مقدمہ کا فیصلہ کریں، حضرت عمرو بن العاصؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ موجود ہیں آپ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہے ایسا ہی ہو، پھر بھی اس مقدمہ میں تم فیصلہ کرو حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ اگر میں فیصلہ کروں تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے صحیح فیصلہ کیا تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا، اور اگر تم نے صحیح فیصلہ تک پہنچنے کی پوری کوشش کی لیکن پھر بھی غلطی ہوگئی تو بھی تمہیں ایک نیکی کا ثواب ضرور ملے گا (۹)۔

سیرت طیبہ میں عدالت کے طریق کار کے بارے میں واضح اور اصولی ہدایات ملتی ہیں۔ جس طرح اوپر بیان ہوا ہے کہ جب تک دونوں فریق کی پوری بات نہ سن لی جائے اس وقت تک قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح یہ حکم بھی قاضی کے لیے ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے (۱۰)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی منقول ہے کہ:

من ابتلی بالقضاء بین المسلمین ، فلیعدل بینھم فی لحظه و اشارته و مقعده و مجلسه (۱۱)۔

جو شخص مسلمانوں میں عہدہ قضاء کی آزمائش میں ڈال دیا گیا ہو اسے چاہیے کہ وہ فریق مقدمہ کے درمیان ہر لحاظ سے مساوات اور برابری کا سلوک کرے حتی کہ ان پر نظر ڈالنے، اشارہ کرنے اور نشست و مجالس میں بھی برابری رکھے۔

حضرت عمرؓ کی ہدایات

اسلام میں عدل کا قیام چونکہ بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس لیے صحابہ کرامؓ، خصوصاً خلفاء راشدین نے عدلیہ کے استحکام اور نظام عدل سے متعلق اصولی ہدایات کو خوب ترویج دیا، اس

سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی ہدایات قاضی شریح کے نام اور تفصیلی ہدایات حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں، ہمارے فقہاء نے اس خط کو عدلیہ کے لیے دستور العمل قرار دیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمرؓ کا خط ۳۴ چھوٹے چھوٹے مگر بہت جامع بلیغ جملوں پر مشتمل ہے۔ انہیں چونتیس (۳۴) دفعات کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدالتی نظم ونسق کی تاریخ میں اب تک ان سے بہتر اصول پیش نہیں کیے جا سکے اور اگر ان اصولوں کی بنیاد پر آج دنیا کے کسی بھی خطہ میں عدلیہ کو منظم کیا جائے تو عدل و انصاف پر مبنی ایک مہذب معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے (۱۲)۔

دراصل یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تھیں جنہیں صحابہ کرامؓ نے عملاً محفوظ رکھا اور ایک ایسے مضبوط عدالتی نظام کی بنیاد ڈالی جو ہر طبقہ اور فرد کے لیے عدل و انصاف کی ضامن رہی۔

فقہاء کی خدمات

صحابہ کرامؓ کے بعد فقہاء نے عدالتی نظم اور طریق کار کو ایک باقاعدہ اور مستقل فن کی حیثیت سے مرتب کر کے پیش کیا۔ امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ) غالباً سب سے پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں امام ابو یوسف کی کتاب ادب القاضی کا تذکرہ کیا ہے بعد میں ابوجعفر محمد بن عبداللہ (م۳۶۲ھ) اور ابوبکر محمد بن احمد السرخسی (م۴۸۳ھ) نے اس کی شروح بھی لکھیں۔ امام محمد الشیبانیؒ (م۱۸۹ھ) نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھی، ان کی ادب القاضی کا تذکرہ ابن مازہ کی شرح ادب القاضی میں کئی جگہ ملتا ہے، لیکن یہ کتب اور اس موضوع پر فقہاء احناف کی بعض اور کتب ہم تک نہیں پہنچیں، البتہ قاضی ابوبکر احمد بن عمر والخصاف (م۲۶۱ھ) کی ادب القاضی اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے، اس کی متعدد شروح بھی لکھی گئیں، خاص طور پر ابوبکر جصاص (م۳۷۰ھ) ایسے علمی پایہ کے فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں۔

اس موضوع پر ادب القاضی، لسان الحکام، معین الحکام وغیرہ کے نام سے فقہاء احناف کی

تقریباً ۱۹، ۲۰ کتابیں عربی زبان میں موجود ہیں۔ اردو میں ادارہ تحقیقات اسلامی نے ادب القاضی کے نام سے ۱۹۸۳ء میں کتاب شائع کی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا خاکہ مرتب کرتے ہوئے پاکستان میں مروجہ ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری کو سامنے رکھا گیا اس وجہ سے اس کتاب کی افادیت جدید تعلیم یافتہ حضرات خصوصاً وکلاء کے لیے بڑھ گئی ہے، اس کتاب میں ادب القاضی سے متعلق مختلف ابواب فقہ کی بنیادی کتب سے ماخوذ ہیں اس میں زیادہ اعتماد فقہاء احناف کی کتب پر کیا گیا ہے لیکن مذاہب اربعہ کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا۔ کتاب کے آغاز میں فاضل مؤلف پروفیسر محمود احمد غازی صاحب کا تحریر کردہ مقدمہ ہے جس میں ادب القضاء پر ہونے والے کام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی ادارہ نے برہان الائمہ ابن مازہ (م ۵۳۶ھ) کی شرح ادب القاضی للخصاف کا اردو ترجمہ ۴ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ خصاف کی کتاب کی بہت سے اہل علم نے شروح لکھی ہیں لیکن ابن مازہ کی اس شرح کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اردو زبان میں اس موضوع پر ایک اہم اور بنیادی کتاب کو، جو بطور اصل ماخذ استعمال ہوتی ہے، اردو میں منتقل کرنا ادارہ کا ایک کارنامہ ہے۔

نظام قضاء اور عدالت پر ایک کتاب مجاہد الاسلام قاضی کی اسلامی عدالت (اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ) ہے۔ یہ کتاب بھارت میں فقہ اکیڈمی، دہلی سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔

مالکی فقہاء نے بھی اس فن کو علمی انداز میں آگے بڑھایا۔ مالکی فقہاء میں تیسری صدی ہجری کے فقہاء کی کتب کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن زیادہ شہرت ابن فرحون (م ۷۹۹ھ) کی تبصرۃ الحکام، ابن الطلاّع (م ۴۹۷ھ) کی اقضیۃ الرسول اور القرافی (م ۶۸۴ھ) ”الإحکام فی تمیز الفتاویٰ والاحکام و تصرفات القاضی والإمام“ کو حاصل ہے۔ القرافی کی کتاب کا اردو ترجمہ حال ہی میں شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔

شافعی فقہاء نے بھی اس فن کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا ہے، اس موضوع پر شوافع کی کم و بیش دو درجن کتابیں عربی زبان میں ملتی ہیں، متقدمین شافعی فقہاء میں ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) شاید سب میں مقدم ہوں، لیکن جن فقہاء کی ادب القضاء پر کتابوں کو زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں الماوردی (م ۴۵۰ھ) ہیں۔ ان کی کتاب ادب القاضی کو شیخ محی ہلال

السرحانی نے تحقیق اور حواشی کے ساتھ مرتب کیا اور دو ضخیم جلدوں میں محکمہ اوقاف حکومت عراق نے شائع کیا ہے۔ دوسری کتاب ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ المعروف با بن ابی الدم (م ۶۴۲ھ) کی ہے، اسے بھی شیخ محی ہلال السرحان نے بڑی محنت سے تحقیق و حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے جسے عراق کی حکومت نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر شام کے معروف فقیہ استاذ مصطفیٰ زحیلی نے بھی کام کیا ہے۔ ان کی تحقیق شدہ کتاب کو مجمع اللغۃ عربیہ نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا تھا۔

حنبلی فقہاء زیادہ تر اس ذخیرہ علم سے استفادہ کرتے رہے جو فقہاء احناف مالکیہ اور شوافع کی لکھی ہوئی تھیں، شاید ان کتابوں کی موجودگی میں انہوں نے کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ بھی ضرور اس موضوع پر لکھیں البتہ بعض فقہاء حنابلہ کی کتابیں ادب القضاء کے بعض موضوعات و مباحث پر ملتی ہیں مثلاً ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کی کتاب السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ یا الحسبہ فی الاسلام، اور ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) کی کتاب الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ ہے، ابن قیمؒ نے اعلام المؤقعین کی پہلی اور دوسری جلد میں حضرت عمرؓ کے اس خط کی شرح لکھی ہے جو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا تھا، یہ شرح اعلام المؤقعین کی پہلی اور دوسری جلد کے چار سو پچھتر صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو مستقلاً عدالتی نظم اور طریق کار پر لکھی گئیں ہیں، ورنہ فقہ کی تمام بڑی اور جامع کتب میں قضاء، شہادت، دعویٰ، اقرار، وکالت وغیرہ کے ابواب پر بحث ہوتی ہے۔

ہماری اس مختصر گفتگو سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان مفکرین اور فقہاء نے اس فن کو علمی انداز میں مرتب و مدون کیا اور قرآن و سنّت کی تعلیمات کی روشنی میں ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری کے ہر ہر پہلو کو اس طرح وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ ان میں ایک اچھا خاصا طبقہ ان فقہاء کا رہا ہے جو عملاً قضاء کے عہدے پر فائز رہے، انہوں نے ان تمام عملی مشکلات کو بھی ملحوظ رکھا ہے جو قیام عدل اور عدالتی نظم میں پیش آ سکتی ہیں، اس طرح مسلمانوں کا ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری چوتھی صدی ہجری کے وسط تک علمی اور فنی لحاظ سے ایک مکمل مضمون کی

حیثیت سے وجود میں آچکا تھا، چنانچہ فقہاء کی ان علمی کاوشوں کی وجہ عدالتی نظام میں بھی نکھار آتا رہا، اور عدلیہ کے لیے قیام عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے اور معاشرہ کے تمام طبقوں کو انصاف مہیا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔

قضاء اور علمی وفکری صلاحیتوں کا ارتقاء

نظم قضاء کو بہتر اور مؤثر انداز میں اسی وقت قائم کیا جا سکتا ہے جب اس نظم سے وابستہ حضرات اعلیٰ علمی صلاحیت رکھتے ہوں اور بہترین فہم وفراست کے مالک ہوں، قرآن وسنّت نے تو ساری امت کے لیے دو چیزیں فرض قرار دی ہیں ایک علم دوسرے غور وفکر اور عقل ذہانت سے کام لینا، جہاں تک علم کا تعلق ہے تو اسلام میں اسکی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ پہلی وحی کا آغاز لفظ اقرأ سے ہوا۔ اقرأ امر کا صیغہ ہے اور جب یہ مطلق ہو تو وجوب کے لیے آتا ہے۔ پہلی وحی میں اقرأ کا لفظ دومرتبہ آیا ہے اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ لفظ مکرر آئے تو اس سے مراد مبالغہ ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پڑھیئے اور خوب اچھی طرح پڑھیئے۔ علم کے لیے صرف قراءت ہی کافی نہیں بلکہ باقاعدہ تعلیم وتعلم کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، پہلی وحی میں عَلَّمَ کا صیغہ بھی دومرتبہ استعمال ہوا ہے۔ حصولِ علم میں قلم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پہلی وحی میں اسی لیے قلم کا بھی ذکر ہے، قلم نام ہے ہر اس آلہ کا جس کے ذریعہ تحریر وجود میں آئے، خواہ وہ قدیم زمانہ کا کانے کا قلم ہو، یا بیسویں صدی کا خوبصورت فاؤنٹین پین، وہ اکیسویں صدی کا کمپیوٹر ہو یا مستقبل میں وجود میں آنے والا کوئی اور جدید ترین آلہ سب قلم کے مفہوم میں شامل ہیں۔ طالب علم کو ہر دور کے قلم کا صحیح صحیح استعمال آنا چاہیے۔ علم کے میدان میں بحث وتحقیق کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے اور پہلی وحی نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ: عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَم (العلق ۹۶:۵)

اسلام میں حصول علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانیت کا آغاز بھی تعلیم کے ساتھ فرمایا اس طرح خالق کائنات پہلے انسان کے معلم بن گئے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۲:۳۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصولِ علم کو فرض قرار دیا: طلب العلم فريضة على كل مسلم (علم کا حصول ہر مسلمان کا فریضہ ہے) قران حکیم نے تعلیم

کتاب وحکمت کو مقاصد نبوت میں قرار دیا ہے: وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرۃ۲:۱۵۱)
قرآن کریم میں علم کا لفظ مختلف صیغوں کے ساتھ تقریباً سات سو اٹھتر مرتبہ استعمال ہوا ہے، اس سے علم کی فضیلت، برتری اور فرضیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ علم صفت خداوندی ہے اور اہل ایمان کے لیے حکم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو اپنائیں۔ تخلقوا بأخلاق اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں علم کو ہمیشہ سرفہرست رکھا، اپنے صحابہ کی تعلیم و تربیت کو ہر چیز پر ترجیح دی، قرونِ اولیٰ میں علم کو ایک اکائی کے طور پر سمجھا جاتا تھا، اس لیے علم دین و دنیا میں تقسیم نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اپنے صحابہؓ کے لیے ایک معلم اور مربی کی تھی، علم جہاں سے اور جس طرح ملتا اسے حاصل کرنے کا حکم دیا جاتا۔ عقائد، اخلاق اور عبادات کا علم تو بہر حال ضروری تھا۔ علم تجارت، زراعت، صنعت وحرفت، طب، تاریخ غرض کون سا علم ہے جس کی اہمیت وضرورت کو معلم انسانیت نے اجاگر نہ کیا ہو اور اپنے صحابہؓ کو اس کے حصول پر آمادہ نہ کیا ہو، حصولِ علم کے لیے جدوجہد کے ساتھ اہل ایمان کو یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے: رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔ رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی اے اللہ میرے سینہ کو کھول دے، اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا اے اللہ میں تجھ سے نفع مند علم کا سوال کرتا ہوں ان آیاتِ مبارکہ، احادیث نبوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب تعلیم وتربیت نے مسلمانوں میں علم وتحقیق کا ایسا شوق وشغف پیدا کر دیا تھا کہ بہت قلیل عرصہ میں مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں بھرپور حصہ لیا بلکہ وہ بہت سے علوم وافکار کے مؤجد بھی بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے راسخین فی العلم بن کر ہی عروج و ارتقاء کی تمام منازل طے کیں۔ اسلام اور علم دونوں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، مسلمان کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ علوم وفنون کے نئے نئے ابواب رقم کرتا رہے۔ دوسری چیز غور وفکر، عقل وذہانت کا استعمال، استدلال واستنباط کی صلاحیت اور نتائج وعواقب پر نظر رکھنا ہے، قرآن و سنت کی اصطلاح میں یہ چیز حکمت کہلاتی ہے۔ حکمت کی تعریف یہ کی گئی ہے "اصابة الحق بالعلم والعقل" یعنی علم اور عقل کے ذریعے حق کو پالینا حکمت کہلاتا ہے۔ آفاق وانفس میں غور و

فکر کے نتیجہ میں توحید و معاد کے بے شمار دلائل مل جاتے ہیں جو انسان کے لیے طمانیت قلب اور روح کے لیے قرار و سکون کا باعث بنتے ہیں۔ اس غور و فکر اور عقل و فہم کے استعمال سے کچھ ایسی چیزیں بھی دریافت ہو جاتی ہیں جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت پر دلالت کرتی ہیں دوسری طرف وہ انسان کی معیشت، تہذیب و تمدن کی ترقی و استحکام کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

قرآن کریم نے عقل و فہم، ادراک و استنباط، غور و فکر، نتائج پر نظر، مشاہدہ اور حواس کے صحیح صحیح استعمال پر زور دیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں یہ رجحان صاف نظر آتا ہے کہ انسان کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں میں مسلسل ارتقاء ہوتا رہنا چاہیے۔

مثلاً سورۂ واقعہ کی ان آیات کا مطالعہ کیجئے:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ط ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (الواقعہ۵۶:۵۸)

بھلا دیکھئے کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو، کیا اسے تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے؟

اَفَرَءَیْتُم مَّا تَحْرُثُوْنَ ط ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (الواقعہ۵۶:۶۳)

بھلا دیکھئے تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو، کیا ان سے لہلہاتی کھیتیاں تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں؟

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ط ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ (الواقعہ۵۶:۶۸،۶۹)

ذرا غور کیجئے کہ جو پانی آپ پیتے ہیں، اسے بادلوں کے ذریعہ تم نے اتارا یا ہم نے برسایا؟

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بعض بنیادی سوال اٹھا کر انسان کو ان کے بارے میں

غور وفکر کی دعوت دی ہے، جب انسان کے سامنے کچھ اپنے مشاہدات ہوں، کچھ تجربات ہوں، اسے اپنے گرد وپیش میں کچھ علامات وآیات نظر آ رہی ہوں جن پر وہ غور وفکر کے ذریعہ کوئی نتیجہ اخذ کرسکتا ہو تو اسے ضرور نتائج تک پہنچنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہیے، اس عمل کے نتیجہ میں اس میں استدلال واستنباط کی صلاحیت مضبوط ہوگی اور یہ مطلوب ہے کہ ہر صاحبِ ایمان صاحبِ فکر اور صائب الرائی بھی ہو۔

قرآن کریم کا ایک اور اسلوب ملاحظہ کیجئے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ
کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْآ اَشَدَّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ط (فاطر ۳۵:۴۴)۔

کیا انہوں نے زمین پر سفر نہیں کیا کہ خود دیکھ لیتے
کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے،
حالانکہ وہ ان سے کہیں زیادہ قوت وطاقت والے
تھے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ
زَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (ق ۵۰:۶)

کیا انہوں نے اوپر پھیلے ہوئے آسمان پر نظر نہیں ڈالی، کیسے ہم
نے انہیں بنایا اور سجایا، اس میں کوئی دراڑ دکھائی نہیں دے گی۔

قرآن کریم ''اُنظر اور اُنظُرُوْا'' امر کا صیغہ کثرت سے استعمال کرتا ہے اس کے ذریعہ وہ کبھی وہ اس کائنات کے عجائبات کی طرف متوجہ کراتا ہے کہ ان میں غور وفکر کرو، اور کبھی مظاہر فطرت میں سوچ بچار کی دعوت دیتا ہے، کبھی تاریخی حقائق بتا کر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تو کبھی قانون فطرت یا قانون منزّل میں غور کرنے اور سوچنے کی دعوت دیتا ہے[۱۳] کہ ہر دو میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار

آیات موجود ہیں، انسان انہیں سمجھنے کی کوشش کرے اوران سے ضروری نتائج اخذ کرے:

اُنظُر كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَفْقَهُوْنَ (الانعام ۶:۶۵)
دیکھئے کس کس طرح ہم اپنی نشانیوں کو بیان کرتے ہیں
تا کہ لوگ سمجھ جائیں۔

اس آیت مبارکہ کو پچھلی سات آیات کے ساتھ ''وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ'' (الانعام ۶:۵۹) سے ملا کر پڑھیئے اور دیکھئے کہ قرآن حکیم نے سوچ وفکر کے کون کون سے زاویے سامنے رکھے ہیں، اور کس طرح اثر انگیزی کے ساتھ عقل وحواس اور فہم و دانش کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی دعوت دی ہے عقل اور اس سے مشتق الفاظ بھی قرآن حکیم میں تقریباً اڑتالیس مرتبہ آئے ہیں۔ اس کے استعمال میں بھی اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے: مثلاً أفَلا تَعْقِلُوْن تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے ؟ یا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْن تا کہ تم عقل سے کام لو (۱۴):

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًامِّنْ قَبْلِهٖ ط اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ (یونس ۱۰:۱۶)
میں نے اس سے قبل تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ
گزارا ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّالَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
(یوسف ۱۲:۲)
ہم نے قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم
سمجھ سکو۔

سورۂ بقرۃ کی اس آیت مبارکہ کو غور سے پڑھیئے اور دیکھئے کہ غور وفکر کے کتنے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ
الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ
بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ
فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ
وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ. (البقرۃ ۲:۱۶۴)

یقیناً زمین وآسمان کی تخلیق اور لیل ونہار کی گردش میں اور یہ بحری جہاز جو تمہارے سامان تجارت کو اِدھر سے اُدھر لیے پھرتے ہیں جن سے تم نفع کماتے ہو اور جو آسمان سے مینہ برساتا ہے، پھر اس سے مردہ زمین کو زندگی بخش دیتا ہے اور یہ ہوائیں جو چلتی ہیں، اور یہ بادل جو اس نے زمین وآسمان کے درمیان مسخر کر دیے ہیں، ان میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

لفظ ذکر اور اس سے مشتق صیغے دو سو پچاس سے زیادہ مرتبہ قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں، اس لفظ کے معنی پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر کا عقل دماغ سے گہرا تعلق ہے لہذا ان آیات کے مطالعہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم عقل وذہانت کے استعمال کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذۡكِرَةٌ ج فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ط وَمَا یَذۡكُرُوۡنَ اِلَّآ
اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ط (المدثر ۷۴:۵۴-۵۵)

ہر گز نہیں یہ تو ایک یاد دہانی (نصیحت) ہے، پس جو چاہے اسے یاد
رکھے، اور یہ اسے یاد نہیں رکھیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

ان تین چھوٹی چھوٹی آیات میں تین مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں۔آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے جو اپنے تمام حواس سے کام لیتے ہیں، جو اپنی ذات اور کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار بکھری ہوئی نشانیوں میں غور کرتے ہیں اور ہر اس بات کو سننے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو معقول ہو، اگر چہ ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ انہی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کو سمجھتے ہوں اور اس کی قدر کرتے ہوں، جو لوگ اس کی ہدایت اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں وہ انہیں ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ہم اپنے تصور کی وضاحت میں مزید دو آیتیں ذکر کریں گے:

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا
عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا (الفرقان ۲۵:۷۳)

اور جب ان لوگوں کو اپنے رب کی آیات کے ذریعہ
نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر وہ اندھے بہرے ہو کر نہیں
گرتے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی تعریف کی ہے جو فہم وفکر کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس کی مخالفت پر اندھے بہرے ہو کر محض عناد کی بنا پر کمر بستہ نہیں ہوتے۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا
سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا
يَسْتَكْبِرُونَ ۩ (السجدۃ ۳۲:۱۵)

ہماری آیات پر تو بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا
حال یہ ہے کہ جب انہیں ان آیات کے ذریعہ یاد دہانی

کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں، اور اپنے رب کی
حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

قرآن کریم نے غور وفکر کی دعوت کے لیے تفکر کا لفظ بھی مختلف صیغوں کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ سورۂ بقرۃ میں گرد و پیش کے مظاہر فطرت کو ذکر کر کے قرآن حکیم کہتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (
البقرة ٢:٢٦٦)

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول
کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

سورۂ آل عمران کی یہ دو آیتیں غور وفکر کے بے شمار پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتی ہیں، غور وفکر بھی وہ جو نتیجہ خیز ہو:

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ج الَّذِيْنَ
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۳: ۱۹۰، ۱۹۱)

یقیناً آسمان و زمین کی تخلیق اور دن و رات کی گردش میں
ان اہلِ عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے
اور لیٹتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، اور زمین
و آسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں تو اعتراف کرتے ہیں
کہ اے اللہ تو نے یہ سب کچھ بے کار نہیں بنایا۔

فکری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے قرآن حکیم نے یہ اسلوب بھی اختیار کیا ہے مثلاً:
اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (الروم۳۰:۸) کیا یہ لوگ اپنے دماغ میں سوچتے نہیں یا مثلاً: اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ (الانعام۶:۵۰) کیا تم غور نہیں کرتے؟

غور و فکر کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے لیے تدبر کا لفظ بھی قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط (النساء۴:۸۲) کیا یہ لوگ قرآن حکیم میں غور و فکر نہیں کرتے۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (ص۳۸:۲۹) یہ بابرکت کتاب ہم نے آپ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں سوچ بچار کریں، اور تاکہ صاحب عقل لوگ سبق حاصل کریں۔

دلائل و بینات کو سمجھنا اور استدلال و استنباط کی صلاحیت کا ہونا بھی نعمت الٰہی ہے، قرآن حکیم کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ جب بھی کوئی دلیل پیش کی جائے انسان اس پر ضرور غور و فکر کرے اور مدلول کو سمجھنے یا مدلول تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سایوں کا پھیلنا اور سمٹنا سب قابل غور و فکر ہے، یقیناً انسان جب گہرائی میں جا کر ان چیزوں کا مطالعہ کرے گا تو ضرور کسی نتیجہ پر بھی پہنچے گا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ج وَلَوْ شَآءَ
لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ج ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ
دَلِيْلًا لا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا
قَبْضًا يَّسِيْرًا (الفرقان۲۵:۴۵،۴۶)

کیا آپ نے اپنے رب کی اس قدرت کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سایہ کو پھیلاتا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو اس کو اسی طرح ساکن چھوڑ دیتا، پھر ہم سورج کو اس پر دلیل راہ بناتے ہیں، پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ

لیتے ہیں۔

مسلم معاشرہ میں حکمران بھی ایسے ہونے چاہییں جو حکمت و ذہانت کے ساتھ کاروبارِ مملکت چلا سکیں، جن میں استدلال و استنباط کی صلاحیت ہو، تاکہ اگر کبھی ایسی صورت پیش آ جائے کہ کوئی خبر یا معاملہ ملک و ملت کی سلامتی کا ہو تو لوگ بلا جھجک اپنے حکمرانوں کی طرف لوٹا دیں تاکہ وہ بات کی تہہ کو پہنچ کر کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں:

وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا
بِهٖ ط وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى
الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ
مِنْهُمْ ط (النساء۴:۸۳)

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسے (لوگوں میں) پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہ لوگ اُس معاملہ کو اللہ کے رسولؐ اور مسلمانوں کے اولوالامر کے پاس پہنچا دیتے تو یقیناً ان میں استنباط کرنے والے لوگ (حقیقت کو) جان لیتے۔

قرآن کریم کی یہ تعلیمات اور انداز بیان اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ مسلمان جس طرح اخلاقی رویہ میں دنیا بھر کی اقوام میں نمایاں ہوتا ہے اسی طرح علمی فکری اور ذہنی طور پر بھی بہت آگے ہوتا ہے، زمین و آسمان کا کوئی گوشہ کوئی شعبہ اس کی عقلی و فکری جولانیوں سے بچ نہیں سکتا۔

جہاں تک عدلیہ اور اور الوالامر کا تعلق ہے تو ان کے لیے عقل و ذہانت اور استدلال و استنباط کی صلاحیت کا ایک اعلیٰ معیار ہونا ضروری ہے، یہی شریعت میں مطلوب بھی ہے، اسی لیے ہمارے بہت سے فقہاء قاضی کے لیے اجتہاد کی صلاحیت کو ضروری قرار دیتے ہیں اجتہادی صلاحیت بھی عقل و روح کی اس بلند سطح کا نام ہے جہاں انسانی فکر علم الٰہی سے استفادہ کے لیے پوری طرح تیار ہوتی ہے۔

اسلامی نظام میں قیام عدل کو یقینی بنانے کے لیے دو ادارے مزید متعارف کرائے گئے، ایک احتساب اور دوسرے افتاء۔ احتساب کی بنیاد قرآن وسنّت میں ملتی ہے، سورۃ الحشر کی آیتِ مبارکہ ہے:

یٰآَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر ۱۸:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور چاہیے کہ ہر انسان اس بات پر نظر رکھے کہ وہ کل کے لیے کیا کچھ بھیج رہا ہے۔

اس آیت میں اپنے گزشتہ اعمال پر محاسبہ کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔

حدیث نبوی میں ہے:

مَن صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ماتقدم مِن ذنبه (۱۵)

جس شخص نے رمضان المبارک کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے یہ روایت نقل کی ہے "کل امری حسیب نفسه" ہر شخص اپنے آپ کا خود محاسب ہے (۱۶)۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "حاسبوا قبل ان تحاسبوا"، (۱۷) اپنا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

انہی بنیادوں پر مسلمان مفکرین نے احتساب کے موضوع پر بہت اچھا علمی کام کیا ہے اور اس نظام کو ایک ادارے کی صورت میں متعارف کرایا۔ نظم احتساب نے عہدِ صحابہؓ میں ہی کام کرنا شروع کر دیا تھا جس نے بعد میں ترقی کرتے ہوئے ایک مکمل ادارہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس ادارے نے

معروف کے قیام اور منکر کی روک تھام میں اہم کردار ادا کیا ہے اور مسلم معاشرہ میں قیام عدل میں ہمیشہ ممد و معاون رہا ہے۔

افتاء کا ادارہ عام لوگوں کو قانون سے آگاہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا، عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگ دستور اور قانون سے واقف ہوں، چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ میں عہدِ رسالت سے لے کر آج تک یہ سہولت عامۃ الناس کو حاصل رہی ہے کہ وہ بلا معاوضہ قانونی احکام اور دستوری مسائل کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ عہدِ رسالت میں یہ فریضہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا، آپؐ نے بہت سے اہل علم صحابہ کو باقاعدہ مفتی مقرر کیا تاکہ وہ لوگوں کی قانونی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ عدلیہ کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ قانون کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ جاری و نافذ کرے اور افتاء کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ قانون کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں لوگوں کی مدد کرے، اس طرح افتاء کا ادارہ عدل و انصاف کے قیام میں عدلیہ کے لیے معین و مددگار رہا ہے۔

ہماری مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقوام عالم اور دنیا بھر میں عدل کو اس کی صحیح روح کے ساتھ قائم کرنے کا فریضہ وہی ملت یا قوم انجام دے سکتی ہے جو ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو، اس لیے کہ اسلامی عقائد کا عدل کے ساتھ گہرا تعلق ہے، عقیدہ کی قوت انسان کو عدل کی شاہراہ پر گامزن رکھتی ہے۔ دوسری بنیادی چیز اخلاقی رویہ ہے، جس قوم میں اعلیٰ اخلاقی اقدار مستحکم ہوں گی، جس کا رویہ مکارمِ اخلاق کے مطابق ڈھل چکا ہوگا اور جو قوم حسن اخلاق میں نمایاں ہوگی وہی عدل عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔ تیسری چیز علم و فراست ہے وہ ملت جس کے علم میں گہرائی بھی ہو اور وسعت بھی ہو، جس کے پاس علوم وحی کا ذخیرہ بھی اور اس کا فہم بھی اسے حاصل ہو، ساتھ ہی علوم عقلیہ پر بھی دسترس رکھتی ہو، اور جو اپنے دور اور زمانہ کے حالات اور علوم سے بھی واقف ہو، جو نئے نئے علوم و افکار اور فنون کی ایجاد میں دنیا کی قیادت بھی کرتی ہو، وہی قوم اقوام عالم میں قیام عدل کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہو سکتی ہے۔

امتِ مسلمہ اجتماعی طور پر آج اس معیار پر پوری نہیں اترتی، لیکن اس امت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو فکری، عملی اور اخلاقی طور پر بہت اچھے مسلمان ہیں، تعلیم یافتہ نوجوانوں میں خاص طور پر

ایسے باشعور بکثرت ملتے ہیں جو شریعت کے مطلوبہ معیار پر بھی پورے اترتے ہیں مگر ابھی منتشر ہیں شائد قدرت کا کوئی حادثہ انہیں منظم کردے اور انہی میں سے کوئی ایسی صالح قیادت ابھی کر سامنے آئے جو اقوامِ عالم میں عدل و انصاف کو دیانت داری کے ساتھ قائم کرے تاکہ آنے والی نسلیں چین و سکھ کی زندگی بسر کرسکیں۔

حوالہ جات

۱۔ تفسیر ابوالسعود تحقیق عبدالقادر احمد عطاء، ج ۱ص ۲۸۵، ۲۸۶، (مکتبہ الریاض الحدیثہ، ۱۹۷۱ء)

۲۔ مکمل آیتِ مبارکہ کا مطالعہ مفید ہوگا، اس آیت میں نظام عدل سے متعلق بہت سی اصولی ہدایات دی گئی ہیں۔

۳۔ حدیث احسان پر غور کیجئے۔ احکام پر عمل کے وقت جب یہ کیفیت ہو کہ ان تعبد الله کأنك تراه تو عمل کس قدر بلندیٔ درجات اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہوگا۔ یاد رکھیے مؤمن کا ہر عمل عبادت ہی ہے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی۔

۵۔ البلاذری، فتوح البلدان (تحقیق ایم رضوان) دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۷۸ء ص ۸۰
ابوداؤد، السنن (تحقیق عزت عبید) م علی السید، حمص ۱۹۶۹ء ج ۴، ص ۱۸۔ ۱۹

۶۔ الوکیع، اخبار القضاء

۷۔ مجاہدالاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، ص ۱۴، ۱۵ (ادارہ معارف اسلامی، لاہور ۱۹۹۱ء

۸۔ مجاہدالاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، ص ۱۵۔ احمد بن حنبل، المسند

۹۔ مجاہدالاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، ص، ۱۵۔ احمد بن حنبل، المسند

۱۰۔ لا يحكم احدكم بين اثنين وهو غضبان، مسلم، الجامع

۱۱۔ اقضیۃ الرسول، محمد بن فرج المالکی ابن الطلاع (۴۹۷ھ) ص ۸- اقضیۃ الرسول (اردو ترجمہ، الموسوعہ القضائیہ) ص ۲۷، مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے، شرح ادب القاضی، ابن مازہ

۱۲۔ اس خط کی تفصیلات کے لیے دیکھئے الخصاف، ادب القاضی۔ ابن قیم، اعلام الموقعین

۱۳۔ مندرجہ ذیل آیات کا ان کے سیاق وسباق میں مطالعہ کیجئے: الانعام ۶: ۴۶، ۶۵

۱۴۔ اَفَلَا تعْقِلوْن تقریباً ۱۵ مرتبہ آیا ہے اور لَعَلَّکُمْ تعْقِلُوْن چھ مرتبہ، اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْن دو مرتبہ، اور اَفَلَمْ تَکُوْنُوْا تعْقِلُوْن ایک مرتبہ آیا ہے بائیس مرتبہ یَعْقِلُوْن غائب کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے۔

۱۵۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، فصل اوّل

۱۶۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۰۵، ۳۲۷

۱۷۔ سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، ۴/ ۶۳۸

☆☆☆☆☆☆☆☆